السلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ

: سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے اٹھتے وقت رفع الیدین مسنون ہے یا نہیں ؟ سجدہ کی رفع یدین کی احادیث قابل عمل ہیں یا نہیں ؟ اگر نہیں تو کیوں ۔ حالانکہ سجدہ کی رفع الیدین کی احادیث کتب سنن و غیر سنن میں ایک جماعت صحابہ سے آئی ہیں ۔ جن میں ضعیف اور غیر ضعیف بھی ہیں ۔ اگرچہ ضعیف ہیں مگر کثرت طرق سے ان کا ضعف مجبز بھی ہوسکتا ہے ۔ امام نسائی نے مالک بن حویرث سے باب رفع الیدین للسجود میں اور نیز دوسری حدیث بروایت نصر ابن عاصم مالک بن حویرث سے بیان کی ہیں ۔ جن میں وضاحت ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رفع الیدین کرتے تھے ۔ امام احمد نے بھی مسند احمد جلد 5 ص : 83 پر اسی مفہوم کی حدیث مالک بن الحویرث سے نقل کی ہے ۔ اس حدیث پر بعض نے یہ جرح کی ہے کہ قتادہ راوی ہے جو مدلس ہے ۔ اور قتادہ نے اس روایت کو لفظ عن مروی ہیں ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ امام ترمذی نے مطلقا قتادہ کی ان روایتوں کو جو بلفظ عن مروی ہیں ۔ بہت جگہ صحیح کہا ہے خواہ وہ شعبہ کے طریق سے ہوں یا غیر شعبہ کے طریق سے ۔ نیز حافظ ابن حجر نے قتادہ کی اس روایت کو جو بلفظ عن مروی ہے ۔ صحیح کہتے ہیں حالانکہ وہ غیر طریق شعبہ ہے ۔ جیسا کہ ابوداؤد ۔ فتح الباری ۔ تفسر فتح البیان دوسرا جواب یہ ہے کہ تحفة الاحوذی ص 158 میں ہے ۔

«وقد تقرران روایۃابی اسحاق من طریق شعبۃ محمولۃ علی السماع وان کانت معنعنۃقال الحافظ ابن حجر فی طبقات المدلسین قال البیھقی وروینا عن شعبۃ انہ قال کفیتکم تدلیس ثلثۃالاعمش وابی اسحاق وقتادہ قال الحافظ فھذا قاعدۃ جیدۃ فی حدیث ھولاء الثلاثۃ انہا اذا جاءت من طریق شعبۃ دلت علی السماع ولو کانت معنعنۃ۔ »

یہ ثابت ہوچکا ہے کہ ابواسحاق کی شعبہ کے واسطے سے سماع پر محمول ہے ۔ خواہ عن کے ساتھ ہو ۔ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ شعبہ کہتے ہیں میں نے تین کی تدلیس سے تمہاری کفایت کی ہے ۔ اعمش ، ابواسحاق ، قتادہ ۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں ۔ یہ کھرا قاعدہ ہے ۔ ان تین میں سے جب کوئی روایت شعبہ کے ذریعہ سے آئے ۔ تو وہ سماع پر دلالت کرے گی ۔ اگرچہ عن کے ساتھ روایت ہو ۔ یہ تو تدلیس کا جواب ہے ۔ اب صرف ایک اعتراض باقی ہے کہ نصر بن عاصم مالک بن حویرث روایت لینے میں متفرد ہیں ۔ دو درجہ سے یہ حرج ضرور کرتی ہے ۔ ایک اس لیے کہ نصر بن عاصم لیثی بصری ثقہ ہے ۔ دوسری وجہ ہے کہ مالک بن حویرث کی یہ حدیث جو سنن ابی داؤد ص 263 مع عون المعبود میں ہے تائید کرتی ہے ۔ جو میرے نزدیک راوی ثقہ اور عادل ہیں ۔ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ امام ابوداؤد نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کو ہمام نے بھی محمد بن حجادہ سے روایت کیا ہے لیکن اس نے سجدہ کی رفع یدین کا ذکر نہیں کیا ۔ محمد بن حجادہ کے صرف ایک شاگرد عبدالوارث نے اس کو ذکر کیا ہے ۔ سو اس کا جواب یہ ہے کہ عبدالوارث کا متفرد ہونا ضرر نہیں کرتا کیونکہ عبدالوارث ہمام سے بڑھ کر عادل ہے ۔ کیونکہ تقریب میں ہمام کو ثقاہت کا ایک درجہ دیا ہے اور عبدالوارث کو دو درجے زیادتی ثقہ احفظ کی بالاتفاق مقبول ہے ۔

علاوہ ان ہر دو روایت کے متعدد احادیث ضعیفہ اور عمل ایک جماعت صحابہ وتابعین کا ان روایتوں کو قوت دیتا ہے ۔ بعض اہل علم سجدہ کی رفع یدین کی احادیث پر یہ جرح کرتے ہیں کہ حدیث عبداللہ بن عمر اور علی بن ابی طالب اور موسیٰ اشعری ان احادیث کے معارض ہیں ۔ کیونکہ ان کی احادیث میں سجدہ کی رفع یدین کا انکار اور نفی ہے ۔ سو یہ جرح اہل حدیث کی شان سے بعید ہے ۔ اس لیے کہ اس قسم کی احادیث کا اہل حدیث اور اصحاب الہدیٰ یہ جواب دیتے ہیں کہ روایات مثبتہ روایات نافیہ پر مقدم وترجیع رکھتی ہیں ۔

۔ ؟

الجواب بعون الوہاب بشرط صحة السؤال

وعلیکم السلام ورحمة اللہ وبرکاتہ!

الحمد للہ، والصلاة والسلام علیٰ رسول اللہ، أما بعد!

سجدہ میں رفع یدین کی احادیث شبہ سے خالی نہیں ۔ جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے ۔

اصول حدیث میں لکھا ہے کہ اگر کوئی محدث اسنادہ صحیح کہے تو اس سے صحت حدیث ثابت نہیں ہوتی ۔ ہاں اگر اسنادہ صحیح کہہ کر اس کے بعد کوئی جرح ذکر نہ کرے تو یہ صحت حدیث پر دلالت ہوگی کیونکہ اگر کوئی جرح ہوتی تو وہ سکوت نہ کرتا ۔

الفیہ عراقی میں ہے ۔

«والحکم للاسناد بالصحۃاو بالحسن دون الحکم للمتن راؤ واقبلہ ان اطلقہ من یعتمد ولم یعقبہ لضعیف ینتقد»

یعنی اسناد کے صحیح یا حسن ہونے کا حکم متن کے صحیح یا حسن ہونے کو نہیں چاہتا ۔ ہاں معتمد علیہ محدث اسناد پر صحیح یا حسن ہونے کا حکم کرے اور اس کے بعد کوئی ضعف بیان نہ کرے ۔ جس سے متن کی تنقید ہو تو اس صورت میں متن بھی صحیح ہوگا ۔

اس عبارت کا مطلب اگرچہ بعض نے اتنا ہی بیان کیا ہے ۔ مگر اصل یہ ہے کہ اس عبارت سے دو باتیں مفہوم ہوتی ہیں ۔ ایک یہ کہ متن پر صحت یا حسن کا حکم لگانا یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا کم درجہ ہے ۔ کیونکہ اسناد پر حکم لگانے کی صورت میں یہ احتمال رہتا ہے کہ شاید اس میں شذوذ یا علت وغیرہ ہو ۔ گویا اس احتمال کی بنا پر یہ حکم لگانے سے حدیث کی صحت یا حسن اس درجہ کی نہیں سمجھیں جاتی ۔ جس درجہ کی متن پر حکم لگانے سے سمجھی

جاتی ہے ۔ دوسری بات یہ کہ کم درجہ معتبر ہے ۔ لیکن اس شرط پر کہ اسناد پر صحت یا حسن کا حکم لگانے کے بعد محدث سکوت کرے اور اس میں شذوذ و علت وغیرہ بیان نہ کرے جو ضعف حدیث کا باعث ہو ۔ یہ مطلب مقدمہ ابن صلاح کی عبارت سے اچھی طرح واضح ہوجاتا ہے ۔ مقدمہ ابن صلاح کی نوع ثانیہ ص 16 میں ہے ۔

«قولهم هذا حديث صحيح الاسناد دون ولا يصح لكونه شاذا او معللا غير ان المصنف المعتمد منهم اذا اقتصر على قوله انه صحيح الاسناد ولم يذكر له علة ولم يقدح فيه فالظاهر منه الحكم له بانه صحيح في نفسه لان عدم العلة والقادح هو الاصل والظاهر والله اعلم»

یعنی محدثین کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد یا حسن الاسناد ہے ۔ یہ ان کے قول سے کہ یہ حدیث صحیح ہے ۔ یا یہ حدیث حسن ہے ۔ کم ہے ۔ کیونکہ بعض دفعہ کہا جاتا ہے کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور در حقیقت بوجہ شاذ یا معلل ہونے کے حدیث صحیح نہیں ہوتی ہاں معتمد مصنف صحیح الاسناد کہہ کر کوئی علت اور عیب ذکر نہ کرے تو ظاہر یہی ہے کہ اس کا یہ حکم حدیث کی صحت کے بابت ہے کیونکہ اصل اور ظاہر یہی ہے کہ کوئی علت اور عیب نہیں ورنہ وہ ذکر کرتا ۔

اس عبارت سے اوپر کی دونوں باتیں اچھی طرح واضح ہوگئیں کیونکہ اسناد صحت یا حسن کے حکم لگانے کی بابت کہا ہے کہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حدیث صحیح ہے اور جب براہ راست حدیث پر صحت یا حسن کا حکم لگایا تو یہ حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی تنصیص اور تصریح ہے ۔ اور ظاہر کا درجہ تنصیص سے کم ہے ۔ کیونکہ ظاہر میں کچھ احتمال رہتا ہے ۔ جیسے احتمال ہے کہ شاید شذوذ وغیرہ کا کوئی احتمال ہو ۔ برخلاف تنصیص اور تصریح کے کہ اس میں اس قسم کی گنجائش نہیں ۔ اور باوجود درجہ کم ہونے کے ظاہر پر بالاتفاق عمل ہوتا ہے ۔ صرف اتنی بات ہے جب ظاہر کا اور تنصیص کا مقابلہ ہوجائے تو پھر ظاہر پر عمل نہیں رہتا جیسے صحیح الاسناد کہنے سے اگرچہ صحت حدیث ظاہر ہوتی ہے لیکن جب صحیح الاسناد کہنے کے بعد محدث کسی عیب کی تنصیص اور تصریح کردے تو پھر اس تنصیص اور تصریح پر عمل ہوگا ۔ ظاہر پر عمل نہیں ہوگا ۔ یعنی حدیث صحیح نہیں سمجھی جائے گی ۔ اگر یہ تنصیص اور تصریح نہ ہو ۔ تو پھر ظاہر پر عمل ہوگا ۔ یعنی حدیث صحیح سمجھی جائے گی تو ایک عام قاعدہ کا بیان تھا ۔ اب اس اسناد کا حال سنیے جس کو حافظ ابن حجر وغیرہ نے صحیح کہا ہے ۔

حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین ص 2 میں مدلسین کے پانچ مراتب ذکر کئے ہیں ۔ ان سے تیسرے مرتبہ کی بابت فرماتے ہیں :

''الثالثة من اكثر من التدليس فلم يحتج الائمة من احاديثهم الا بما صرحوا فيه بالسماع ومنهم من قبلهم كابي الزبير ۔ المكي انتهى ۔،،

یعنی تیسرے مرتبے کے وہ لوگ ہیں جو تدلیس بہت کرتے ہیں ۔ ایسے لوگوں کی احادیث سے ائمہ نے استدلال نہیں پکڑا ۔ مگر جن روایتوں میں انہوں نے سماع کی تصریح کی ہے وہ لائق استدلال ہیں اور بعض محدثین نے ان کی احادیث کو مطلق رد کردیا ہے ۔ خواہ سماع کی تصریح کریں یا نہ ۔ اور بعض محدثین نے مطلقاً قبول کرلیا ہے ۔

اس کے بعد آگے چل کر اس مرتبہ کے پچاس آدمی بتلائے ہیں ۔ جن سے ایک قتادہ کو بھی شمار کیا ہے ۔ چنانچہ فرماتے ہیں :

''قتادہ بن دعامة السدوسی البصری صاحب انس بن مالک رضی اللہ عنہ کان حافظ عصرہ وھو مشھور بالتدلیس وصفہ بہ النسائی وغیرہ ،، (طبقات المدلسین ص 18)

یعنی قتادہ بن دعامہ سدوسی حضرت انس رضی اللہ عنہ کے شاگرد اپنے زمانے کے حافظ تھے ۔ اور وہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں ۔ امام نسائی وغیرہ نے ان کو مدلس کہا ہے ۔

اب یہاں دو صورتیں ہیں ۔ ایک یہ حافظ ابن حجر نے قتادہ کی تدلیس کا اعتبار نہ کیا ہو ۔ اور اس کی حدیث کو مطلقاً قبول کرتے ہوئے اسناد صحیح کہہ کر سکوت کیا ۔ جس سے اوپر کے قاعدہ کے مطابق یہ حدیث ادنیٰ درجہ کی صحیح ہوگئی ۔ دوسری صورت یہ کہ قتادہ چونکہ تدلیس کے ساتھ مشہور ہیں ۔ اس لیے اسناد صحیح کے بعد اس بات کے ذکر کی ضرورت نہ سمجھی کہ اس میں قتادہ مدلس ہیں ۔ کیونکہ شہرت بمنزلہ ذکر کے ہے ۔ پس اس صورت میں حدیث ضعیف ہوگی ۔ میرے خیال میں اس صورت کو ترجیح ہے ۔ کیونکہ جب ائمہ حدیث تیسرا مرتبہ والوں کی احادیث کے لائق استدلال نہیں سمجھتے تو حافظ ابن حجر سے ان کی مخالفت بعید ہے ۔ اور امام ابوداؤد کا اس کو اپنی کتاب میں لانا اس کی صحت کی دلیل نہیں ۔ کیونکہ وہ ایسی ضعیف احادیث بھی لے آتے ہیں جو تائید کے قابل ہوں ۔ اور اگر بالفرض دوسری صورت کو ترجیح نہ ہو تو بھی معاملہ مشکوک رہا ۔ کیونکہ احتمال ہے کہ حافظ ابن حجر اسنادہ صحیح پر شہرت کی بنا پر سکوت کیا ہو ۔ اور احتمال ہے کہ تدلیس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے سکوت کیا ہو ۔ بہر صورت حافظ ابن حجر کے اسنادہ صحیح کہنے سے اس حدیث کی صحت سمجھنا ڈبل غلطی ہے ۔ اور ابن سید الناس کے کلام کو بھی اسی پر قیاس کرلیں بلکہ ابن سید الناس نے ورجالہ ثقات کہہ کر اسنادہ صحیح کی تفسیر کردی ہے ۔ یعنی اسنادہ صحیح سے مراد ہے کہ راوی ثقہ ہیں ۔ اور قتادہ اگرچہ مدلس ہیں لیکن ثقہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ۔ اور فتح البیان اور عون المعبود کی عبارت کا بھی یہی مطلب ہے اور اگر کچھ اور ہے تو ان کی غلطی ہے ۔ اور امام شوکانی کے سکوت کی وجہ بھی شہرت ہے ۔ یعنی قتادہ کی تدلیس مشہور ہے اس لیے کچھ کلام نہیں کی جب اس حدیث کی صحت میں شبہ رہا جس کی نسبت اسنادہ صحیح صراحۃ کہا گیا ہے تو سجدہ میں رفع یدین کی حدیث کی نسبت کس طرح تسلی ہو سکتی ہے ۔ رہی یہ بات کہ شعبہ کی روایت اعمش ۔ ابی اسحاق اور قتادہ سے سماع پر محمول ہے ۔ سو اس کی نسبت عرض ہے کہ اعمش اور ابی اسحاق سے تو خواہ سماع پر مجہول ہو ۔ مگر شعبہ کی روایت کا سماع پر محمول ہونا مشکوک ہے جس کی وجہ مندرجہ ذیل ہے ۔

طبقات المدلسین کی عبارت جو مولوی صاحب مرحوم نے تحفۃ الاحوذی میں نقل کی ہے وہ پوری اس طرح ہے :

(وقال البیھقی ، فی المعرفة روینا عن شعبة قال کنت اتفقد فم قتادۃ فاذا قال حدثنا و سمعت حفظتہ واذا قال حدث فلان ترکتہ وروینا عن شعبة انہ قال کفیتکم تدلیس ثلاثة الاعمش وابی اسحق وقتادہ (قلت فھذہ قاعدۃ جیدۃ ۔ الخ (طبقات المدلسین ص 21)

یعنی بیہقی نے معرفہ میں کہا ہے کہ ہم نے شعبہ سے روایت کی ۔ فرماتے تھے کہ جب قتادہ حدیث سناتے تو میں ان کے منہ کی طرف خیال رکھتا ۔ جب حدثنا اور سمعت کہتے تو میں یاد کرلیتا ۔ جب حدیث کہتے تو میں چھوڑ دیتا ۔ نیز بیہقی نے کہا ہم نے شعبہ سے روایت کیا فرماتے تھے میں نے تین کی تدلیس سے تمہاری کفایت کی ۔

اعمش ۔ ابواسحاق ۔ قتادہ میں (حافظ ابن حجر) کہتا ہوں ۔ یہ عمدا قاعدہ ہے ۔ ان تینوں سے جب کوئی روایت شعبہ کے واسطہ سے آئے تو وہ سماع پر دلالت کرے گی ۔ خواہ عن ہی کے ساتھ روایت ہو ۔

اس عبارت کے پہلا حصہ میں ہے کہ شعبہ نے قتادۃ سے وہی روایتیں لی ہیں جن میں سماع کی تصریح ہے باقی چھوڑ دی ہیں ۔ تو اب عن والی روایت شعبہ سے آہی نہیں سکتی تو اس کے سماع پر محمول ہونے کے کیا معنی ؟ اور اس صورت میں قتادۃ کی تدلیس کی کفالت کرنے سے شعبہ کا یہ مطلب ہوگا کہ جب قتادۃ کا کوئی دوسرا شاگرد ایسے صیغہ کے ساتھ روایت کرے جس میں سماع کی تصریح نہ ہو تو وہ روایت میرے پاس لاؤ ۔ میں اس کی تمیز کردوں گا

کہ وہ سماع والی ہے یا نہیں۔ کیونکہ میں اس کی بڑی جستجو رکھتا تھا۔ پس یہ عبارت اس بات کی دلیل ہوئی کہ یہ عن والی روایت شعبہ کی نہیں بلکہ کسی راوی کی غلطی سے شعبہ کی طرف نسبت ہوگئی ہے اور اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مالک بن حویرث راوی حدیث کا اپنا عمل اس حدیث پر نہیں کیونکہ وہ صرف رکوع کو جاتے اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم باب استحباب رفع الیدین الخ، میں، اور بخاری باب رفع الیدین الخ ہے۔ ہاں اگر تدلیس کی کفایت کرنے سے شعبہ کا مطلب یہ لیا جائے کہ جن روایتوں میں قتادہ نے سماع کی تصریح نہیں کی۔ ان کی بابت بعد کو شعبہ نے قتادہ سے تحقیقات کرکے سماع والی اور غیر سماع والی تمیز کرلیں۔ اور روایت کرتے وقت اسی لفظ سے روایت کیں۔ جس لفظ کے ساتھ سنیں تھیں جو سماع کے لفظ کے ساتھ سنیں وہ سماع کے لفظ کے ساتھ روایت کیں۔ اور جو عن وغیرہ کے ساتھ سنیں وہ عن وغیرہ کے ساتھ روایت کیں تو اس وقت بیشک حافظ ابن حجر کا قاعدہ کہ شعبہ کی روایت ان تینوں سے سماع پر محمول ہے درست ہوگا۔ اور اس قاعدہ کی بنا پر رفع الیدین کی حدیث صحیح ہوگی۔ لیکن شعبہ کے مطلب میں چونکہ شبہ پڑ گیا ہے۔ اس لیے تسلی اسی طرح نہیں، کیوں؟ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

اس کے علاوہ مالک بن حویرث کا صرف دو جگہ رفع الیدین کرنا بتلا رہا ہے کہ سجدہ کی رفع یدین کوئی مستقل رفع الیدین نہیں۔ بلکہ یہ وہی ہے جو سجدہ کو جاتے اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ رکھے اور اٹھائے جاتے ہیں۔ کیونکہ احادیث کے مطابق دونوں ہتھیلیاں سجدہ میں کبھی کندھوں کے برابر کبھی منہ کے دونوں طرف رکھی جاتی ہیں۔ اور سجدہ سے سر اٹھاتے وقت ساتھ اٹھائی جاتی ہیں۔ اس کی شکل و صورت بظاہر رکوع کو جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کی سی بن جاتی ہے۔ اس کی شکل و صورت کا لحاظ کرتے ہوئے رکوع کے رفع الیدین کے ساتھ اس کا بھی ذکر کردیا۔ اور کبھی یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ رکوع کا رفع یدین مستقل ہے اور یہ کوئی مستقل رفع الیدین نہیں۔ اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ اور عبداللہ بن عمر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما وغیرہ کی احادیث میں جو وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یعنی انہوں نے بھی اس کے مستقل نہ ہونے کی وجہ سے نفی کردی ہے۔ آپ نے ان احادیث کو معارض بتایا ہے۔ حالانکہ یہ مؤید ہیں پھر آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عدم رویت اور عدم رویت اور اثبات رویت کے منافی نہیں۔ کیونکہ یہاں عدم رویت اور اثبات رویت کا مقابلہ نہیں بلکہ رویت عدم اور رویت اثبات کا مقابلہ ہے۔ یعنی جن روایتوں میں ذکر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ ان کی کئی روایتوں میں رویت کی تصریح ہے۔ ملاحظہ ہو مسلم باب مذکورہ اور بخاری باب الی این رفع یرفع یدیہ فتامل فیہ۔ اور سندھی کا اس طرح سے تطبیق کرنا کہ آں حضرت صلعم سجدہ کی رفع یدین کبھی کرتے کبھی نہ کرتے۔ یہ اس وقت مناسب ہے جب سجدہ کی رفع یدین مستقل طور پر ثابت ہو جائے۔ مگر جب سبب ہی مشکوک ہے تو اس کی ضرورت ہی کیا؟ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی حدیث میں رکوع میں رفع یدین کا اثبات ہے اور سجدہ میں نفی ہے۔ اگر اس کا مطلب یہ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں کبھی چھوڑ دیتے تھے۔ اور راوی نے جیسا کہ دیکھا اسے بیان کردیا۔ تو اس پر سوال ہوگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ میں کیوں چھوڑا۔ کیا جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا یا بھول کر چھوڑا یا منسوخ ہونے کی وجہ سے چھوڑا۔ بلاوجہ بھول کر نسبت آپ کی طرف غیر مناسب ہے۔ نیز بھول میں آپ کی اقتداء نہیں ہوتی تو گویا مطلب یہ ہوا کہ سجدہ میں ہمیشہ رفع الیدین کرنا چاہیے۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد نہیں۔ اس طرح نسخ کی صورت کو سمجھ لینا چاہیے کیونکہ نسخ کی صورت میں لازم آئے گا کہ سجدہ میں بالکل نہیں کرنا چاہیے۔ حالانکہ سندھی کی یہ بھی مراد نہیں۔ اب رہی پہلی صورت یعنی جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا۔ سو اس کی بابت عرض ہے کہ سجدہ میں جواز بتلانے کی غرض سے چھوڑا ہے تو رکوع میں نہ چھوڑنے کا مطلب عدم جواز ہوگا۔ یعنی رکوع میں چھوڑنا جائز نہیں ہوگا۔ حالانکہ سندھی کی یہ مراد بعید ہے۔ کیونکہ نسائی کتاب الافتتاح کی پہلی حدیث پر سندھی نے رکوع میں بھی ترک جواز تسلیم کیا ہے۔

پھر یہاں ایک اور ڈبل اعتراض پڑتا ہے وہ یہ کہ اثبات اور نفی دونوں قسم کی احادیث میں استمرار کا صیغہ ہے جو ہمیشگی اور استمرار کو چاہتا ہے تو اب اس طرح سے موافقت نہیں ہوسکتی کہ کبھی کرتے کبھی نہ کرتے بلکہ اس کی صورت یہی ہے کہ سجدہ میں رفع الیدین سے مراد مستقل رفع یدین نہیں بلکہ وہی شکل و صورت رفع یدین والی ہے۔ فتامل فیہ

رہی وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث جس کو آپ نے اصل قرار دیا ہے۔ اس میں عبدالوارث بن سعید بے شک ہمام سے زیادہ ثقہ ہے۔ لیکن ہمام کو خارج سے تقویت بہت ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ وغیرہ کی متفق علیہ احادیث جن میں سجدہ میں رفع یدین کی نفی ہے اس کے شواہد ہیں پھر شرح نخبہ میں صحت کے چند درجے مقرر کیے ہیں اول نمبر بخاری، مسلم کی روایات پھر بخاری کی، پھر مسلم کی، پھر جو بخاری و مسلم کی شرط پر ہوں۔ پھر جو بخاری کی شرط پر ہوں۔ پھر جو مسلم کی شرط پر ہوں۔ اور اس روایت کو مسلم نے بھی روایت کیا ہے۔ لیکن اس میں سجدہ میں رفع یدین نہیں۔

پس اس جہت سے بھی اس روایت کو تقویت ہوگئی پھر عبداللہ بن وائل کے استاد میں اختلاف ہے عبیداللہ بن عمر بن میسرہ رضی اللہ عنہ جو اعلی درجہ کے ثقہ ہیں جن کی بابت تقریب میں ثقہ ثبت لکھا ہے یہ عبدالوارث سے وائل بن علقمہ نقل کرتے ہیں۔ اور ابو خیثمہ زہیر بن حرب بھی اسی اعلی درجہ کے ثقہ ہیں وہ بھی عبدالوارث سے بواسطہ عبدالصمد بن عبدالوارث ''وائل بن علقمہ ہی روایت کرتے ہیں۔ اور ابراہیم بن الحجاج سامی جس کو تقریب میں ثقۃ یہم قلیلا کہا ہے یعنی ثقہ ہے کچھ وہم کرتا ہے۔ اور عمران بن موسیٰ ابو عمرو البصری کو تقریب میں صدوق کہا ہے۔ یہ دونوں عبدالوارث سے علقمہ بن وائل نقل کرتے ہیں۔ اور صحیح یہی ہے۔ چنانچہ تہذیب میں اور تقریب میں ابن حجر نے اس کی تصریح کی ہے۔ اب دیکھئے عبیداللہ اور خیثمہ اعلی درجہ کے ثقہ ہیں۔ دونوں کی بابت تقریب میں لکھا ہے۔ اور ابراہیم اور عمران یہ ان کی نسبت بہت ہلکے درجہ کے ہیں کیونکہ دوسرے کو صرف سچا کہا ہے۔ اس کے حافظہ وغیرہ کی تعریف نہیں کی اور پہلے اس کے لیے جامع لفظ بولا ہے جو حافظہ وغیرہ کو بھی شامل ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ وہ کچھ وہم کرتا ہے مگر باوجود اس کے عبدالجبار بن وائل کے استاد کی نسبت انہی کا قول درست ہے یہ کیوں؟ اس لیے کہ ان کے قول کو خارج سے تقویت پہنچ گئی ہے۔ وہ یوں عفان بن مسلم بصری نے ہمام بن یحییٰ بصری سے علقمہ بن وائل نقل کیا ہے۔ اور اسحاق بن ابی اسرائیل نے بھی عبدالصمد سے علقمہ بن وائل نقل کیا ہے۔ اور کے بعد اور خارجی قرائن بھی ہیں جو عبدالجبار کا استاد علقمہ بن وائل ہونے کے مقتضی ہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ کوئی ضروری نہیں کہ زیادہ ثقہ کی بات کو ہمیشہ ترجیح ہوا کرے بلکہ بعض خارجی شواہد ادنی کو اعلی کردیتے ہیں۔ اور اسی کی بات درست ہوتی ہے۔ پس اس بناء پر ہمام کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیے اور یہی وجہ ہے کہ امام مسلم۔ ہمام کی روایت اپنی کتاب میں لائے ہیں۔ اور عبدالوارث کی نہیں لائے۔ ملاحظہ ہو باب وضع یدہ الیمنی الخ۔ پس جس روایت کو آپ نے اصل خیال کیا تھا وہ محل استدلال میں فرع بھی نہ رہی۔ اس کے علاوہ مالک بن الحویرث رضی اللہ عنہ کی حدیث میں سجدہ میں رفع یدین سے مراد مستقل رفع یدین مراد نہ ہو تو اس میں بھی وہی مراد لینا چاہیے تاکہ سب احادیث میں موافقت ہو جائے اور کسی قسم کا اختلاف نہ رہے۔

وباللہ التوفیق

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الصلوۃ، نماز کی کیفیت کا بیان، ج2ص125